چند قواعد فقہیہ کی وضاحت

علامہ ابوالعرفان محمد انور مگھالوی

(قسط۴)

قاعدہ نمبر۱۴:

''اِذَا اجْتَمَعَ الْحَلالُ وَالْحَرَامُ غَلَبَ الْحَرَامُ''

(جب حلال اور حرام جمع ہو جائیں تو حرام غالب ہوگا)۔

قاعدہ کا مقصود یہ ہے:

''اِذَا تَعَارَضَ دَلِيْلَانِ أَحَدُهُمَا يَقْتَضِىْ التَّحْرِيْمَ وَالْآخَرُ الْإِبَاحَةَ قُدِّمَ التَّحْرِيْمُ''

(جب دو دلیلیں باہم متعارض ہوں ایک حرمت کا تقاضا کرتی ہو اور دوسری اباحت کا، تو دلیل حرمت کو اباحت پر مقدم کیا جائے گا یعنی اسے ترجیح دی جائے گی)۔

☆ ربوا: عقد کے وقت جو زیادتی مال کو مال کے بدلنے سے بلاعوض حاصل ہو ☆

مثالیں:

۱۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: "لَکَ مِنَ الْحَائِضِ مَا فَوْقَ الْإِزَارِ" (تیرے لئے حائضہ کی ناف سے اوپر استمتاع جائز ہے) اس ارشاد گرامی سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ عورت کی ماہواری کے ایام میں اس کی ناف سے لے کر گھٹنوں کے نیچے تک کے حصہ سے لطف اندوز ہونا حرام ہے مگر اس کے برعکس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا ارشاد گرامی ہے: "اِصْنَعُوْا کُلَّ شَیْءٍ اِلَّا النِّکَاحَ" (نکاح (وطی) کے سوا ہر عمل بجالاؤ) تو اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حائضہ سے وطی کرنا تو حرام ہے مگر اس کے جمیع اعضاء سے استمتاع کرنا مباح ہے یہ دونوں حدیثیں حکم کے اعتبار سے باہم متعارض ہیں لہٰذا ائمہ فقہاء حضرت امام اعظم ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام شافعی اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ عنہم نے مذکورہ اصول کے مطابق دلیل حرمت کو ترجیح دیتے ہوئے پہلی حدیث کو راجح قرار دیا اور حکم یہ صادر کیا کہ ایام حیض میں ناف سے گھٹنوں تک استمتاع حرام ہے۔

۲۔ اگر دوران شکار سکھلائے ہوئے شکاری کتے کے ساتھ ایسا کتا مل جائے جو سکھلایا ہوا نہ ہو اور دونوں مل کر شکار کریں تو ایسا شکار حرام ہوگا حالانکہ سکھلائے ہوئے کتے کا شکار حلت کا تقاضا کرتا ہے جبکہ دوسرے کتے کا شکار حرمت کا تقاضا کرتا ہے۔ مگر مذکورہ اصول کے مطابق دلیل حرمت کو ترجیح دیتے ہوئے شکار کو حرام قرار دیا گیا۔ (ھٰکذا فی الکنز)

۳۔ اگر کسی نے شکار پر وار کیا جس کے سبب وہ پانی میں گر پڑا یا وہ پہاڑی پر تھا وہاں سے نیچے چٹان پر گرا پھر لڑھکتا ہوا زمین پر آ پہنچا تو ایسا شکار حرام ہوگا کیونکہ اس میں یہ احتمال ہے کہ وہ شکاری کے وار سے نہ مرا ہو بلکہ پانی میں گرنے یا چٹان پر لگنے کے سبب اس کی موت واقع ہوئی ہو۔ لہٰذا احتیاطی حکم یہی دیا گیا کہ ایسا شکار استعمال نہ کیا جائے۔

۴۔ اگر ایک ہی بیع میں مذبوحہ بکری اور مردار بکری جمع کر دی جائے تو ایسی بیع باطل ہوگی۔ اس میں مردار بکری مال نہ ہونے کے سبب بیع کے بطلان کا تقاضا کرتی ہے۔ جبکہ اس کے برعکس مذبوحہ بکری مال ہونے کے سبب بیع کے جواز کا تقاضا کرتی ہے لہٰذا مذکورہ اصول کے مطابق دلیل بطلان کو دلیل جواز پر ترجیح دیتے ہوئے حکم بیع باطل کا لگایا گیا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

☆ بیع ملامسہ: بائع یا مشتری کہے کہ اگر میں نے تجھے یا تیرے کپڑے کو چھولیا تو ہمارے درمیان بیع ہوگی ☆

قاعدہ نمبر ۱۵:

"اَلْبَیِّنَۃُ عَلٰی مَنْ اِدَّعٰی وَالْیَمِیْنُ عَلٰی مَنْ اَنْکَرَ"

(گواہ لانا اس کے ذمہ ہے جس نے دعویٰ کیا اور قسم اس پر ہے جس نے دعویٰ کا انکار کیا)۔

اس اصول کی بنیاد اور اصل یہ واقعہ ہے کہ حضرت علقمہ اپنے باپ وائل سے روایت کرتے ہیں:

"قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِّنْ حَضْرَ مَوْتٍ وَرَجُلٌ مِّنْ کِنْدَۃَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الْحَضْرَمِیُّ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ ھٰذَا غَلَبَنِیْ عَلٰی اَرْضٍ لِّیْ فَقَالَ الْکِنْدِیُّ ھِیَ اَرْضِیْ وَفِیْ یَدِیْ لَیْسَ لَہٗ فِیْھَا حَقٌّ فَقَالَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِلْحَضْرَمِیِّ اَلَکَ بَیِّنَۃٌ؟ قَالَ لَا قَالَ فَلَکَ یَمِیْنُہٗ قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الرَّجُلَ فَاجِرٌ لَّایُبَالِیْ عَلٰی مَا حَلَفَ عَلَیْہِ وَلَیْسَ یَتَوَرَّعُ عَنْ شَیْءٍ قَالَ لَیْسَ لَکَ مِنْہُ اِلَّا ذَالِکَ قَالَ فَانْطَلَقَ الرَّجُلُ لِیَحْلِفَ لَہٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا اَدْبَرَ لَئِنْ حَلَفَ عَلٰی مَالِہٖ لِیَاْکُلَہٗ ظُلْمًا لَیَلْقَیَنَّ اللّٰہُ وَھُوَ عَنْہُ مُعْرِضٌ"

(ہذا حدیث حسن صحیح، ترمذی، ج۱، ص۲۴۹)

(حضرت وائل فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں دو آدمی حاضر ہوئے ایک حضرموت کا رہنے والا تھا اور دوسرا کندہ کا، تو حضرمی نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نے میری زمین پر غاصبانہ قبضہ کررکھا ہے بعد ازاں کندی بولا زمین میری ہے اور میرے قبضہ میں ہے اس کا اس میں کوئی حق نہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرمی سے فرمایا کیا تیرے پاس گواہ ہے اس نے عرض کی نہیں! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرے لئے کندی پر قسم ہوگی۔ یہ سن کر حضرمی نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے شک یہ ایک فاجر انسان ہے۔ یہ قسم

اٹھاتے ہوئے کسی شئی کی پرواہ نہیں کریگا اور نہ ہی کسی معصیت سے اجتناب کرے گا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا تیرے لئے اس کی جانب سے قسم کے سوا اور کچھ نہیں۔ حضرت وائل فرماتے ہیں جب وہ آدمی قسم اٹھانے کیلئے چلا اور وہ پچھلے پاؤں مڑا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اس نے دوسرے کا مال ظلماً کھانے کے لئے قسم اٹھائی تو یقیناً وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ اس سے ناراض ہوگا اور اپنی رحمت سے اسے دور ہٹا دے گا)۔

پس اسی فرمانِ نبوی سے یہ قانون معرضِ وجود میں آیا کہ کسی بھی مقدمہ اور باہمی نزاع میں گواہ لانا مدعی کے ذمہ ہوتا ہے اور اس کے پاس گواہ نہ ہونے کی صورت میں مدعی علیہ کے ذمہ قسم لازم ہوتی ہے۔

بینہ کی تعریف:

"الشهادة العادلة التي تؤيد صدق دعوى المدعي" (الاشباہ والنظائر)

(ایسی سچی شہادت جو مدعی کے دعویٰ کے صدق کی تائید کرتی ہو بینہ کہلاتی ہے)

مگر یہ لفظ فی الحقیقت شہادت کے ساتھ مختص نہیں بلکہ

"تَشْمُلُ كُلَّ مَا يُبَيِّنُ الْحَقَّ وَيُظْهِرُهُ"

(یہ لفظ ہر اس شئی کو شامل ہوتا ہے جو حق کو بیان کرتی ہو اور اس کی وضاحت کرتی ہو)

قاعدہ میں غور وفکر کرنے سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ یہ اصول عین عقل سلیم کے مطابق ہے کیونکہ مدعی کا دعویٰ ظاہر صورت کے خلاف ہوتا ہے اور یہ بھی اصول ہے "اِنَّ الْاَصْلَ بَرَاءَةُ الذِّمَّةِ" (یعنی بنیادی طور پر ہر انسان دوسرے کی ذمہ داری سے بری ہے) اس لئے مدعی پر لازم ہے کہ وہ اپنے دعویٰ کے صدق کو ثابت کرنے کے لئے شہادت پیش کرے اگر اس کے سبب اس کے دعویٰ کی صداقت ثابت ہو جائے تو فیصلہ اس کے حق میں ہوگا۔ اور اگر مدعی اپنے دعویٰ کے حق میں بینہ لانے سے عاجز ہو تو پھر مدعی علیہ کو اس دعویٰ کے انکار کا ثبوت مہیا کرنے کیلئے قسم اٹھانے کا موقع فراہم

کیا جائے اگر اس نے قسم اٹھا دی تو یہی اس کی صداقت کی دلیل ہوگی اور نتیجتاً وہ اس دعویٰ سے بری الذمہ ہو جائے گا۔

مثلاً اگر زید نے خالد کے خلاف قاضی کی عدالت میں سرقہ (چوری) کا دعویٰ دائر کر دیا تو اس میں دعویٰ کے ثبوت کے لئے زید (مدعی) کے ذمہ گواہ لانا لازم ہیں اگر اس نے گواہ پیش کر دیئے تو خالد (مدعی علیہ) پر حد سرقہ نافذ ہو جائے گی اور اگر وہ گواہ لانے سے عاجز رہا تو پھر قاضی، خالد (مدعی علیہ) سے قسم لے گا اگر اس دعویٰ کے خلاف قاضی کی عدالت میں اس نے قسم اٹھا دی تو وہ اس دعویٰ سے بری ہو جائے گا اور اگر اس نے قسم اٹھانے سے انکار کر دیا تو پھر مال سرقہ کی ضمانت اس پر لازم ہوگی مگر قسم سے انکار کرنے کے سبب اس پر حد سرقہ (قطع ید) نہیں لگائی جائے گی جیسا کہ کنز الدقائق میں ہے۔ "وَيَسْتَحْلِفُ السَّارِقَ فَإِنْ نَكَلَ ضَمِنَ" قاضی سارق سے قسم لے گا اگر اس نے انکار کیا تو مال کا ضامن ہوگا۔

قاعدہ نمبر ۱۶:

"لا ينكر تغير الاحكام بتغير الازمان"

(زمانہ کی تبدیلی کے سبب احکام کی تبدیلی کا انکار نہیں کیا جائے گا)۔

مذکورہ قاعدہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایسے احکام جن کا انحصار عرف اور عادت پر ہوتا ہے اور زمانہ کے تغیر و تبدل کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں چونکہ حالات بدلنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کی حاجات وضروریات میں بھی تبدیلی رونما ہوتی ہے اور پھر یہی تبدیلی عرف میں تغیر کا سبب بنتی ہے اور پھر عرف احکام بدلنے کا سبب بن جاتا ہے مگر اس کے برعکس ایسے احکام جن کا دارومدار عرف کی بجائے ادلہ شرعیہ پر ہوتا ہے وہ ہر دور میں قائم رہتے ہیں اور عرف میں کسی نوعیت کی تبدیلی ان میں تغیر کا سبب نہیں بن سکتی مثلاً قصاص اور دیگر حدود وغیرہ تمام احکام صریح نصوص سے ثابت ہیں لہٰذا حالات میں کیسی ہی تبدیلی کیوں نہ رونما ہو جائے ان میں قطعاً تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔

مثالیں:

۱۔ زمانہ قدیم میں لفظ دار کا اطلاق ایسی حویلی پر ہوتا تھا جس میں ایک ہی نوعیت کے متعدد کمرے موجود ہوتے۔ اگر اسے کوئی خریدنے کی خواہش کرتا تو اس کیلئے اصول یہ تھا کہ اگر دار کے

متعدد کمروں میں سے ایک کو دیکھ لیتا تو اس کا خیار رویت ساقط ہو جاتا اور بعد ازاں اس خیار کی بناء پر اسے اپنا عقد توڑنے کا حق حاصل نہیں ہوتا تھا۔ مگر زمانہ جدید میں رسوم و رواج کی تبدیلی کے سبب دار کی نوعیت بھی بدل گئی لہٰذا ایک ہی دار میں مختلف نوعیتوں اور ڈیزائنوں کے کمرے تعمیر ہونے لگے اسی تبدیلی کی بناء پر متاخرین فقہاء نے یہ فتویٰ صادر کیا کہ جب تک مشتری دار کے ہر کمرہ کو علیحدہ علیحدہ دیکھ نہ لے تب تک اسکا خیار رویت ساقط نہیں ہوگا۔

۲۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے دور میں دعویٰ مال میں شاہد کا تزکیہ لازمی قرار نہیں دیتے تھے اور اس کی علت یہ تھی کہ آپ کے دور میں اکثر لوگ متقی اور پرہیزگار ہوتے تھے اور احکام شرعیہ کی پابندی کرتے تھے ہاں اگر خصم گواہ پر جرح کے دوران اس کے تزکیہ کا ثبوت طلب کرتا تو پھر آپ کے نزدیک بھی تزکیہ کا ثبوت پیش کرنا لازمی ہوتا تھا مگر آپ کے بعد جب صاحبین (حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا دور آیا تو حالات بدل چکے تھے۔ اور لوگوں کے مزاج میں اچھا خاصا بگاڑ آ چکا تھا حتیٰ کہ جھوٹی شہادت سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ حالات کی اس تبدیلی کے پیش نظر انھوں نے یہ فتویٰ دیا کہ شہادت کیلئے شاہدوں کے تقویٰ اور ان کی صداقت وشرافت کا ثبوت سراً اور اعلانیۃً لازمی اور ضروری ہے۔

۳۔ ایسی اجناس جن کے کیلی یا وزنی ہونے کی تعیین زمانہ رسالت سے ثابت نہیں تو ان کے کیلی یا وزنی ہونے کا فیصلہ عرف کے مطابق ہوگا یعنی جس زمانہ یا علاقہ کے لوگ جن کا کاروبار کیل سے کرتے ہیں وہاں وہ کیلی اجناس میں شمار ہوں گے اور جن کا لین دین وزن سے کرتے ہیں وہ وزنی اشیاء میں شمار ہوں گی اور اگر کچھ عرصہ کے بعد حالات اس کے برعکس ہو جائیں یعنی وزنی اشیاء کی خرید وفروخت کیل سے ہونے لگے اور کیلی کی بیع وشرا وزن سے ہونے لگے تو ان کے احکام بھی اسی کے مطابق بدل جائیں گے۔

۴۔ زمانہ قدیم میں دوران جنگ جو ہتھیار استعمال کئے جاتے تھے ان میں تیر، نیزے، تلواریں، ڈھالیں وغیرہ شامل تھیں مگر غزوہ طائف میں پہلی مرتبہ مسلمانوں نے قلعہ کی دیواریں توڑنے کے لئے منجنیق کا استعمال کیا، بعد ازاں خلفائے راشدین کے ادوار میں آلات حرب اور فنون حرب میں اچھی خاصی تبدیلی رونما ہوئی مگر اب حالات کلیتہً تبدیل ہو چکے ہیں۔ لہٰذا موجودہ حالات کے تقاضوں کے مطابق جدید سے جدید تر ایسا سامان حرب جس سے ملک کا دفاع

احسن انداز میں ہوسکتا ہو اس کا استعمال ضروری ہے۔ کیونکہ حالات بدلنے سے احکام تبدیل ہو جاتے ہیں۔

۵۔ اذان کا لغوی معنی "اَلْاِعْلَامُ" (آگاہ کرنا) ہے۔ اور اس کا شرعی مفہوم یہ ہے:

"اَلْاَذَانُ اِعْلَامٌ مَخْصُوْصٌ بِاَلْفَاظٍ مَخْصُوْصَةٍ فِیْ اَوْقَاتٍ مَخْصُوْصَةٍ" (عمدۃ القاری، شرح صحیح بخاری، ج ۵، ص ۱۰۷)

(مخصوص اوقات میں مخصوص الفاظ کیساتھ مخصوص اعلان کرنا اذان کہلاتا ہے)

اس تعریف سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اذان کا مقصود اصلی لوگوں کو اوقات نماز سے آگاہ کرنا ہے۔ اور انہیں اپنے ذمہ لازم فرض کی ادائیگی کی دعوت دینا ہے۔ تاکہ جمیع افراد اذان کی آواز سن کر اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہوسکیں۔ اس لئے اذان بلند آواز کے ساتھ بلند جگہ پر کہنا مستحب ہے۔ جیسا کہ عمدۃ القاری، ج ۵، ص ۱۱۵ پر موجود ہے۔

"فِیْهِ اِسْتِحْبَابُ رَفْعِ الصَّوْتِ بِالْاَذَانِ لِیَکْثُرَ مَنْ یَّشْهَدُ لَهٗ وَلَوْ اُذِّنَ عَلٰی مَکَانٍ مُرْتَفِعٍ لِیَکُوْنَ اَبْعَدَ لِذِهَابِ الصَّوْتِ وَکَانَ بِلَالٌ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ یُؤَذِّنُ عَلٰی بَیْتِ اِمْرَأَةٍ مِنْ بَنِیْ النَّجَارِ بَیْتُهَا اَطْوَلُ بَیْتٍ حَوْلَ الْمَسْجِدِ"

(اذان میں آواز بلند کرنا مستحب ہے۔ تاکہ اس کی شہادت دینے والے کثیر ہو جائیں اگرچہ وہ بلند جگہ پر اذان کہے کیونکہ یہ آواز دور تک پہنچانے کے لئے زیادہ مناسب ہے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ بنی نجار کی ایک عورت کے گھر پر اذان کہتے تھے کیونکہ اس کا گھر مسجد کے اردگرد کے تمام گھروں سے زیادہ بلند تھا)۔

مذکورہ عبارت سے یہ واضح ہوا کہ بلند جگہ پر اذان کہنے کا مقصود صرف اور صرف آواز دور دراز تک پہنچانا تھا اسی طرح صاحب ہدایہ ارشاد فرماتے ہیں:

"اِنَّ الْاَذَانَ عَلٰی مَوْضِعٍ عَالٍ مُسْتَحَبٌّ" (ہدایہ، ج ۱، ص ۵۸، ح ۳)

(بے شک بلند جگہ پر اذان کہنا مستحب ہے)۔

مسجد نبوی میں میناروں کی تعمیر ولید بن عبدالملک کے دور حکومت میں ہوئی۔ جیسا کہ وفا الوفاء باخبار

دارالمصطفیٰ میں ہے: "یَظْهَرُ مِنْ سِیَاقِ مَا تَقَدَّمَ اَنَّ اَوَّلَ جَعْلِ الْمَنَارَاتِ فِی الْمَسْجِدِ کَانَ فِیْ زِیَادَةِ الْوَلِیْدِ فِی الْمَسْجِدِ النَّبَوِیْ"۔ (منقول ہدایہ، ج ۱، ص ۵۸، ح ۳)

جبکہ کتاب الاوائل للسیوطی میں ہے:

"اَوَّلُ مَنْ رَقٰی مِنَارَةَ مِصْرَ شَرَحْبِیْلُ بْنُ عَامِرٍ وَبَنٰی مَسْلَمَةُ الْمَنَابِرَ لِلْاَذَانِ وَلَمْ تَکُنْ قَبْلَ ذَالِکَ" (ہدایہ، ج ۱، ص ۵۸)

(مینارہ مصر سب سے پہلے شرحبیل بن عامر نے بنایا اور اذان کے لئے مینارے مسلمہ نے تعمیر کرائے اس سے قبل کوئی مینار نہیں تھا)۔

مذکورہ عبارات سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ حالات بدلنے کے ساتھ ساتھ ایک امر مستحب کی ادائیگی کے لئے جدت پیدا کی گئی۔ اس طرح کہ وہی اذان جو پہلے مکان یا مسجد کی چھت پر کہی جاتی تھی اس کے لئے مینارے تعمیر کر دیئے گئے اور ان پر اذان کہی جانے لگی مگر ان تمام سے مقصود یہ تھا کہ اذان کی آواز دور دور تک پہنچائی جا سکے مگر سائنس کی روز افزوں ترقی کے ساتھ جب ☆ سے آلہ مکبر الصوت (لاؤڈ اسپیکر) ایجاد ہوا وہی عمل جو پہلے مینار پر کیا جاتا تھا اگر بند کمرے میں بھی کیا جائے تو اس سے مقصود حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ اذان کی آواز شہر کی آبادی سے باہر تک بآسانی پہنچائی جا سکتی ہے لہٰذا اگر مذکورہ فقہی قاعدہ کی روشنی میں غور کیا جائے تو یہ کہنا درست ہے کہ زمانہ جدید کی اس ایجاد (لاؤڈ اسپیکر) کا استعمال اذان کے لئے مباح ہے۔ اور اس کی موجودگی میں مینار پر اذان کہنا ضروری نہیں ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۷:

"اِذَا تَعَارَضَتِ الْحُقُوْقُ قُدِّمَ مِنْهَا الْمُضَیَّقَ عَلَی الْمُوَسَّعِ وَالْفَوْرِیُّ عَلَی الْمُتَرَاخِیْ وَفَرْضُ الْعَیْنِ عَلَی الْکِفَایَةِ"

(جب حقوق باہم متعارض آ جائیں تو ان میں سے مضیق (جس کا وقت تنگ ہو) "کو موسع" (جس کا وقت وسیع ہو) پر اور فوری (جس کی ادائیگی بالفور ضروری ہو) کو متراخی (جس کی ادائیگی بالتاخیر ہو سکتی ہو) پر اور فرض عین کو فرض کفایہ پر مقدم کیا جائے)۔

☆ لاؤڈ اسپیکر سن میں ایجاد ہوا۔

☆ اقرار: عاقل و بالغ کا غیر کا حق اپنے اوپر ثابت ہونے کی خبر دینا اقرار ہے ☆

مثالیں:

۱۔ اذان کا جواب قرأت قرآن پر مقدم کیا جائے۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب مؤذن اذان کہہ رہا ہوتو سامع کے لئے اس کا جواب دینا سنت سے ثابت ہے۔اور اگر اسی وقت سامع قرأت قرآن میں مصروف ہوتو اس کے لئے دو مختلف حقوق کی ادائیگی بیک وقت لازم ہوگئی مگر چونکہ اذان کے جواب کا وقت تنگ ہے کیونکہ یہ صرف مؤذن کی اذان کہنے کے وقت تک محدود ہے۔اور اس کے برعکس قرأت قرآن کا وقت وسیع ہے اس لئے اسے چاہئے کہ تھوڑی دیر کے لئے قرأت قرآن کو موقوف کردے اور اذان کا جواب دے اور اس کے بعد پھر تلاوت کلام مجید میں مصروف ہو جائے۔ جیسا کہ بہارِ شریعت جز سوم، ص ۳۰ میں بحوالہ درمختار اور فتاویٰ عالمگیری میں موجود ہے۔

> ''جب اذان ہوتو اتنی دیر کے لئے سلام، کلام اور جواب سلام تمام اشغال موقوف کردے یہاں تک کہ قرآنِ مجید کی تلاوت میں اذان کی آواز آئے تو تلاوت موقوف کرے اور اذان کو غور سے سنے اور جواب دے۔''

۲۔ نماز ادا کرنے کی نسبت ڈوبنے یا جلنے والے کو بچانا مقدم ہے، تفصیل اس طرح ہے کہ اگر ایک جانب نمازی کے لئے نماز کا وقت ہو اور اسی لمحے آنکھوں کے سامنے اسے ایک آدمی غرق ہوتا یا جلتا نظر آئے تو اس صورت میں نمازی کے ذمہ لازم ہے کہ وہ نماز کی ادائیگی مؤخر کردے اور اس آدمی کی زندگی بچانے کی اولاً کوشش کرے، کیونکہ اس میں اولاً تو نماز کا وقت وسیع ہے اور اگر وقت تنگ بھی ہو جائے تو پھر بھی وقت کے بعد اس کی قضا ممکن ہے جب کہ اس کے برعکس اگر غرق ہونے یا جلنے والے کو بالفور بچانے کی کوشش نہ کی جائے تو اس کی زندگی کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو جائے گا اور وہ موت کی آغوش میں چلا جائے گا اس لئے یہ لازم ہے کہ فوری حق کو متراخی پر مقدم کیا جائے بلکہ اگر انسان نماز ادا بھی کر رہا ہو اور اس کے سامنے مذکورہ نوعیت کا واقعہ پیش آجائے تو ایسی صورت میں نماز توڑنا واجب ہے۔

۳۔ ''عام حالات میں بوڑھے والدین کی خدمت کرنا فرض عین ہے۔اور جہاد میں شرکت کرنا فرض کفایہ ہے۔اس لئے والدین کی خدمت کو جہاد پر مقدم کیا جائے گا۔جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

☆ بیع صرف: چاندی یا سونے کی بیع چاندی یا سونے کے بدلے میں ☆

"عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ جَاهِمَةَ اَنَّ جَاهِمَةَ جَآءَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَدْتُ اَنْ اَغْزُوَ وَقَدْ جِئْتُ اَسْتَشِيْرُكَ فَقَالَ هَلْ لَكَ مِنْ اُمٍّ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَالْزِمْهَا فَاِنَّ الْجَنَّةَ عِنْدَ رِجْلِهَا" (مشکوٰۃ، نسائی)

(حضرت معاویہ بن جاہمہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان کے والد جاہمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جہاد میں جانے کا ارادہ رکھتا ہوں آپ سے مشورہ لینے کیلئے حاضر ہوا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا تیری ماں ہے؟ عرض کی جی ہاں! تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی خدمت اپنے اوپر لازم کر لے بے شک جنت ماں کے قدموں کے پاس ہے)۔

جہاد کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک یہ تھا:

"ان النبی صلی الله علیه وسلم حین خرج الی العدو ما کان یخرج کل اهل المدینة"

(جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دشمن کے خلاف جہاد کے لئے نکلتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کے جمیع افراد کو ساتھ نہ لے جاتے)۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر جہاد فرض عین ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً جہاد کے وقت جمیع اہل مدینہ کو ساتھ لے کر نکلتے اسی لئے فقہاء نے یہ فیصلہ فرمایا:

"الجهاد فرض كفاية ابتداء فان قام به قوم سقط عن الكل و الا اثموا بتركه" (کنز الدقائق، ص ۱۹۹)

(جہاد ابتداءً فرض کفایہ ہے بس اگر بعض افراد نے یہ فریضہ ادا کر دیا تو تمام کے ذمہ سے یہ ساقط ہو جائے گا اور اگر کسی نے بھی جہاد میں شرکت نہ کی تو اسے ترک کرنے کے سبب تمام گناہگار ہوں گے)۔

مگر جب صورت حال اس کے برعکس ہو یعنی دشمن اسلام اسلامی مملکت پر عام حملہ کر دے

☆ بیع تعاطی: بیع (ایجاب قبول کیے بغیر قیمت دے کر مبیع لے لینا) ☆

اور ادھر اسلامی افواج بھی دفاع کے لئے کامل طور پر تیار نہ ہوں یا دشمن کی افواج قاہرہ کی تعداد اتنی کثیر ہو اور حملہ اتنا شدید ہو کہ اسلامی افواج کے لئے دفاع ممکن نہ ہو ایسے حالات میں اگر حاکم وقت مملکت کو بچانے کے لئے اور دین کی سربلندی کے لئے جہاد کے لئے اعلان عام کر دے اور رعایا کے ایسے تمام افراد کو جہاد میں شریک ہونے کی دعوت عام دے جو اس فریضہ کو ادا کرنے کی قوت و صلاحیت رکھتے ہوں تو ان حالات میں جہاد فرض عین بن جاتا ہے۔ لہٰذا ہر اس آدمی کی شرکت اس میں لازمی ہو جاتی ہے جو کسی بھی اعتبار سے اس میں مدد و معاون ثابت ہو سکتا ہو چاہے وہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام، جیسا کہ حاشیہ کنز میں موجود ہے۔

"وَاِنَّمَا صَارَ الْجِهَادُ عِنْدَ النَّفِيْرِ فَرْضَ عَيْنٍ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى "اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالاً وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ"

(توبہ:۴۱) (کنز الدقائق، ص ۱۹۹)

(نفیر عام کے وقت جہاد فرض عین ہو جاتا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: (جہاد کے لئے) نکلو (ہر حال میں) ہلکے ہو یا بوجھل اور اللہ کی راہ میں اپنی جانوں اور اپنے مالوں سے جہاد کرو)۔

یعنی جب جہاد کا اعلان عام ہو جائے تم کسی بھی حال میں ہو دنیا کا کوئی بندھن، کوئی مجبوری اور کوئی عذر تمہیں میدانِ جہاد کا رخ کرنے سے باز نہ رکھے۔ علامہ اسماعیل حقی خفافا وثقالا کی وضاحت میں فرماتے ہیں:

"اَیْ حَالَ كَوْنِكُمْ شُبَّانًا وَشُيُوْخًا اَوْ فُقَرَاءَ وَ اَغْنِيَآءَ اَوْ رُكْبَانًا وَّمُشَاتًا اَوْ اَصِحَّاءَ وَمَرْضٰى اَوْ غُرَبَآءَ وَمُتَاهِلِيْنَ. (روح البیان)

(خواہ تم جوان ہو یا بوڑھے، فقیر ہو یا امیر، سوار ہو یا پیادے، تندرست ہو یا بیمار، تنہا ہو یا عیالدار ہر حال میں دعوت جہاد پر لبیک کہتے ہوئے رزم گاہ حق و باطل میں شریک ہو جاؤ)۔

نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ جب صورت حال ایسی ہو جائے تو پھر خدمت والدین پر جہاد کو ترجیح دیتے ہوئے مقدم کیا جائے گا۔

☆ بیع بضربتہ القانص: شکار کا ایک یا دو مرتبہ جال پھینکنے کو فروخت کرنا۔ (ھدایہ)